وقائع سیرت سے استنباط احکام میں مباحث اصولیہ کا اطلاق

(متقدمین و متاخرین کی سیرت نگاری کے تناظر میں)

Application of the Principles of Islamic Jurisprudence in the deriving of injunctions from Sirah' Incidents. (In the light of (earlier and later Sirah writings

ڈاکٹر حافظ محمد نعیم*

Abstract:
The biography of the Holy Prophet (PBUH) has always been an essential part of Islamic Literature. His earlier and later biographers did an Excellent Job as they recorded in detail every aspect of his life and produced a wonderful collection of classical writings. In this context, they practiced different approaches, styles and methodologies. Among these styles one is called Fiqh-al-Sirah in modern terminology, this methodology derives Juristic Implications and lessons from the Sirah incidents. This trend can found in Sirah books written by other great scholars like Ibn e Kathir (d.774 A.H.), Allama Maqrezi (d.845 A.H.), Imam Qastallani (d.923 A.H.), Imam Shami (d.942 A.H.), Imam Halabi (d.1044 A.H.) and Allama Zarqani (d.1122 A.H.) etc. These Implication and juristic rulings have been inferred from all the aspects of to Makki and Madni eras of Prophet`s life the lessons and instructions derived thus cover the religious, social, political, economic and other aspects of a Muslim's life. These biographers have also applied the principles of Usool-e-Hadith and Usool-e- Fiqh in deriving the juristic implications from Sirah' incidents. This article intends to explore this methodology adopted by biographers.

سیرت نگاری اپنے آغاز سے عصر حاضر تک مختلف اسالیب و مناھج کی صورت جلوہ گر ہوتی رہی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ سیرت رسول ﷺ کی تاریخیت، جامعیت اور آفاقیت ہے[1]۔ سیرت نگاری جیسے جیسے ارتقاء کی منازل طے کر رہی ہے اس کے مناھج و اسالیب میں وسعت اور تنوع پیدا ہوتا جا رہا ہے۔ لہٰذا یہ بات ببانگ دہل کہی جا سکتی ہے کہ انسانیت کے تہذیبی، تمدنی اور ثقافتی ارتقاء کے ساتھ ساتھ سیرت پیغمبر ﷺ کی پرتیں بھی کھلتی چلی جا رہی ہیں اور سیرت کی ہمہ جہتی اور عالمگیریت کی گواہی دے رہی ہیں۔ سیرت النبی ﷺ ایک ایسا

---

* چیئرپرسن / ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ عربی و علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی لاہور

1 سیرت رسول ﷺ کے عالمگیر اور دائمی نمونہ عمل ہونے اور سیرت کی تاریخیت، تکمیلیت، عملیت اور جامعیت کے پہلوؤں کے حوالے سے تفصیلی ابحاث دیکھیے: ندوی، سید سلمان، خطبات مدراس، تخریج و حواشی، حافظ محمد رحمت اللہ ندوی، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، ۲۰۱۱ء۔

لامتناہی سمندر ہے جس کی حدود، گہرائی اور گیرائی کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ یہ قرآن ناطق کی سیرت ہے جیسا کہ قرآن صامت کے بارے میں فرمایا گیا کہ لا تنقضی عجائبہ، (یعنی) اس کے عجائب و غرائب کبھی بھی ختم نہیں ہوں گے، اسی طرح سیرت کے بھی نئے نئے پہلو سامنے آتے جائیں گے اور سیرت کی عظمت اور معنویت ہمارے سامنے روشن تر ہوتی چلی جائے گی۔[1]

تاریخ سیرت نگاری پہ اگر نظر دوڑائیں تو یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت کا کوئی پہلو ایسا نہیں جسے موضوع بحث نہ بنایا گیا ہو۔ مختصر، متوسط اور مطول ہر درجہ کی کتب سیرت کے ہر موضوع و پہلو پہ موجود ہیں اور اپنے مصنفین و مرتبین کے رجحانات و میلانات کی آئینہ دار ہیں۔ متقدمین و متاخرین کی امھات کتب سیرت کا جہاں تک تعلق ہے تو ان میں سیرت نگاری کے مختلف مناھج واسالیب کو اختیار کیا گیا ہے۔ مؤرخانہ، محدثانہ، مؤلفانہ، متکلمانہ اور مناظرانہ اسالیب زیادہ اہم اور ان کتب سیرت میں عام ہیں۔ اگرچہ کسی کتاب کے بارے میں حتمی طور پہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ فلاں اسلوب کے تحت لکھی گئی ہے البتہ کسی خاص اسلوب کے غلبہ کی بنیاد پر اس کتاب کو متعلقہ اسلوب کی حامل ضرور قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ سیرت نگار حضرات نے بھی واضح الفاظ میں وضاحت نہیں کی کہ وہ سیرت نگاری کے کس خاص منہج واسلوب کو اپنا رہے ہیں۔ ایک کتاب بیک وقت کئی اسالیب کی حامل قرار دی جا سکتی ہے۔

متقدمین اور خاص طور پر متاخرین کی سیرت نگاری کا ایک اہم اور منفرد اسلوب وقائع سیرت سے فقہی احکام، دروس و عبر اور بصائر و نصائح کا استنباط واستخراج ہے جسے فقہیات سیرت یا پھر جدید اصطلاح میں فقہ السیرہ بھی کہا جاتا ہے[2]۔ جس طرح فقہ الحدیث کے تحت حدیث سے احکام و مسائل اخذ کیے گئے ہیں اسی طرح فقہ

---

1 غازی، محمود احمد، ڈاکٹر (م ۲۰۱۰ء)، محاضرات سیرت، لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب اردو بازار، ۲۰۰۷، ص ۱۹۶

2 فقہ السیرۃ کی اصطلاح میں بہت وسعت اور پھیلاؤ ہے جس میں عقائد سے لے کر کلامیات تک اور سیاسیات سے لے کر اجتماعیات تک سیرت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا جا سکتا ہے علاوہ ازیں بعض حضرات نے روایات سیرت کے حوالے سے روایت و درایت کے اصولوں اور سیرت نگاری کے ماخذ و مصادر کی تنقیح اور اصول سیرت نگاری کے اطلاق کو بھی فقہ السیرۃ کا نام دیا ہے۔ (مبارکپوری، قاضی اطہر، تدوین مغازی و سیر، لاہور، دارالنوادر، غزنی سٹریٹ اردو بازار، ۲۰۰۵۔ مقدمہ از عبدالجبار شاکر، ص۔ ظ) عمومی اعتبار سے "فقہ السیرۃ" کی اصطلاح سیرت طیبہ کے مختلف گوشوں اور پہلوؤں کے متعلق ہو جاتی ہے اس کا تعلق فقہیات سیرت سے بھی ہو سکتا ہے، کلامیات سیرت کی تحقیق بھی اس میں داخل ہے، سیرت کے ادبی و اجتماعی پہلوؤں کا فہم بھی فقہ السیرۃ کہلایا جا سکتا ہے سیرت کے

السیرۃ کے تحت سیرت نگار حضرات نے وقائع سیرت سے احکام اور دروس واسباق وغیرہ کا استنباط کیا ہے اگرچہ فقہ الحدیث اور فقہ السیرۃ میں مرکز و محور ذات پیغمبر علیہ السلام ہی ہے لیکن علوم حدیث میں جس قدر اعتناء اور توجہ فقہ الحدیث کو دی گئی سیرت نگاری میں فقہ السیرۃ کو وہ توجہ نہ مل سکی اور اس کے برعکس سیرت کے مؤرخانہ اور مؤلفانہ اسالیب وغیرہ کو زیادہ اختیار کیا گیا۔ فقہ السیرۃ اور فقہ الحدیث یا فقہ السنۃ میں بنیادی فرق یہ ہے کہ کتب فقہ السیرۃ میں زمانی ترتیب سے واقعات سیرت کے بیان کے بعد دروس و عبر اور فقہی احکام کا استخراج ہوتا ہے جبکہ کتب فقہ الحدیث میں فقہی ابواب کی طرز پر مسائل فقہیہ اخذ کیے جاتے ہیں اور ایسی کتب خاص حوادث سیرت کے لیے مخصوص نہیں ہوتیں۔ فقہ السیرۃ کے حوالے سے اگر متقدمین و متاخرین[1] کی کتب سیرت پر نظر ڈالی جائے تو اس حوالے سے ابتدائی کتب سیرت مثلاً سیرت ابن اسحاق، سیرت ابن ہشام

احداث و وقائع کی تحلیل و تاویل جس کو مشکلات سیرت کا حل کہا جاتا ہے۔ فقہ السیرۃ کا ایک باب ہے۔ سیرت سے متعلق اعلام و اوطان کا تعارف بھی فقہ السیرۃ کا میدان ہے۔ متقدمین کی سیرت نگاری میں ان تمام گوشوں سے بحث کی گئی ہے بلکہ بعض کتب کو ان سب جوانب کی جامع کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے... فقہ السیرۃ کا ایک اسلوب وہ ہے جس میں سیرت کے مختلف گوشوں کی مدد سے شرعی احکام کا تعین کیا جاتا ہے"۔(ہاشمی، شاہ معین الدین، بیسویں صدی میں فقہ السیرۃ کا رجحان، مشمولہ: دورِ جدید میں سیرت نگاری کے رجحانات، تدوین و ترتیب، مبشر حسین / عبد الکریم عثمان، اسلام آباد، قومی مرکز مطالعہ سیرت و لائبریری / ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، ۲۰۱۵ء ص ۳۹۸)

1 متقدمین و متاخرین کی کتب سیرت کو مباحث و مضامین اور صفحات و اجزاء کے اعتبار سے مختصر، متوسط اور مطول کتب سیرت میں تقسیم کیا جاسکتا ہے اگر فقہ السیرۃ کے حوالے سے بات کی جائے تو ان تینوں اقسام کی کتب سیرت میں احکام موجود ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو کتاب مفصل ہے اس میں احکام بھی زیادہ ہیں یا جو مختصر ہے اس میں احکام کی تعداد بھی کم ہے بلکہ بعض مطول کتب سیرت ہیں مگر ان میں احکام کی تعداد بہت کم ہے۔ اور بعض کتابیں مختصر ہیں لیکن ان میں احکام کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے ۔ مختصر کتب سیرت میں (i) الدرر فی اختصار المغازی والسیر (ii) جوامع السیرۃ (iii) الفصول فی سیرۃ الرسول (iv) اور مختصر سیرۃ الرسول وغیرہ اہم ہیں، متوسط کتب سیرت میں (i): الروض الانف (ii) عیون الاثر فی فنون المغازی و الشمائل والسیر (iii) المواھب اللدنیہ بالمنح المحمدیۃ (iv) السیرۃ الحلبیہ (انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون) اور (v) السیرۃ النبویہ لزینی دحلان وغیرہ شامل ہیں جبکہ مطول کتب سیرت میں (i) زاد المعاد (ii) السیرۃ النبویۃ لابن کثیر (iii) (امتاع الاسماع (iv) سبل الھدی و الرشاد فی سیرۃ خیر العباد اور (v) شرح العلامۃ الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ کے نام لیے جاسکتے ہیں۔

اور کتب تاریخ وطبقات میں موجود حصۂ سیرت میں دینی احکام کی تواریخ فرضیت وغیرہ سے تو بحث کی گئی ہے مگر وہاں نہ تو کسی بحث کو فقہی انداز میں چھیڑا گیا ہے اور نہ ہی کسی واقعۂ سیرت سے کوئی مسئلہ اخذ کیا گیا ہے۔ مستقل اور باقاعدہ سیرت نگاری میں فقہی مسائل زیر بحث لانے اور واقعات سیرت سے فقہی نکات اخذ کرنے کی ابتداء امام ابن حزم ظاہری (م۴۵۶ھ) کی جوامع السیرۃ اور ابن عبدالبر (م۴۶۳ھ) کی الدرر فی اختصار المغازی والسیر سے پانچویں صدی ہجری میں ہوتی ہے جبکہ فقہ السیرۃ کو باقاعدہ طور پر اپنانے والے پہلے سیرت نگار امام سہیلی (م۵۸۱ھ) ہیں جنہوں نے الروض الانف کے مقدمہ میں بھی اس اسلوب کا اظہار کیا اور متن کتاب میں روایات و واقعات سیرت سے بہت سے فقہی نکات اور لطائف و معارف اخذ کیے۔ فقہ حدیث سلمان، فقہ حدیث الھجرۃ الی الحبشۃ،فقہ حدیث السحر اور فقہ لایصلین احد کم العصر الافی بنی قریظۃ، جیسے جملے کتاب میں عام پائے جاتے ہیں۔ فقہ السیرۃ کو باقاعدہ فن کی شکل دینے اور عروج و کمال تک پہنچانے میں امام ابن قیم (۷۵۱ھ) کا بنیادی کردار ہے موصوف نے زادالمعاد میں جس اہتمام کے ساتھ سینکڑوں فقہی احکام اور حکمتیں اخذ کی ہیں اگلی پچھلی صدیوں میں کوئی سیرت نگار بھی اس حوالے سے ان کے مقام و مرتبہ کو نہیں پہنچا۔ زادالمعاد میں ابن قیم نے خاص طور پر غزوات وسرایا، معاہدات اور وفود کے تذکرہ میں جن فقہی نکات کو اخذ کیا ہے اور وقائع سیرت سے جو حکمتیں اخذ کی ہیں۔ ابن قیم کے بعد آنے والے شارحین احادیث اور سیرت نگار ان سرور عالم ﷺ ان سے کسی طور مستغنی نہیں ہو سکے۔ زاد المعاد کو بجا طور پر ''ام کتب فقہ السیرۃ'' کہا جاسکتا ہے۔

آٹھویں صدی ہجری اور مابعد کی تمام صدیوں میں بھی فقہ السیرۃ سے خاصا تعرض کیا گیا مثلاً الإشارۃ إلی سیرۃ المصطفی وتاریخ من بعدہ من الخلفا از علاء الدین بن قلنج بن عبداللہ مغلطائی (م۷۶۲ھ)، السیرۃ النبویۃ لابن کثیر (م۷۷۴ھ)، امتاع الاسماع از علامہ مقریزی (م۸۴۵ھ)، بھجۃ المحافل وبغیۃ الاماثل از یحیٰی بن ابی بکر العامری (م۸۹۳ھ)، المواھب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ از علامہ قسطلانی (م۹۲۳ھ)، سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد از علامہ محمد بن یوسف الشامی (م۹۴۲ھ)، السیرۃ الحلبیہ از امام حلبی (م۱۰۴۴ھ)، شرح الزرقانی از علامہ زرقانی (م۱۱۲۲ھ)، مختصر سیرۃ الرسول از محمد بن عبدالوہاب (م۱۲۰۶ھ) اور مختصر سیرۃ الرسول از عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب (م۱۲۴۴ھ) کی کتب سیرت میں واقعات سیرت کے تحت بہت سے احکام و فقہی نکات اخذ کیے گئے ہیں جن میں مماثلت کے ساتھ ساتھ تفردات بھی موجود ہیں۔ اس فن کی ابتداء کے حوالے سے اگر بات کی جائے تو فقہ السیرۃ بنیادی طور پر فقہ الحدیث سے اخذ کردہ فکر وخیال ہے اور کتب احادیث میں روایات سیرت سے اخذ واستنباط احکام اس کے اولین نقوش قرار دیئے جاسکتے ہیں۔

اخذ و استنباط احکام میں مباحث اصولیہ کا اطلاق

احکام فقہیہ کے اخذ و استنباط میں اصول فقہ اور اصول حدیث کا اطلاق بہت اہمیت کا حامل ہے اور شارع کی مرضی و منشاء معلوم کرنے کا بنیادی ذریعہ ہے نیز حضور ﷺ کے وصال کے بعد احکام کا علم قواعد ہی کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ کے بعد اور نئے نئے حالات و معاملات کے پیش آنے سے اصول و قواعد کی طرف توجہ و ضرورت بڑھتی گئی یہاں تک کہ ان اصول و قواعد کو باقاعدہ طور پر مدون کر لیا گیا[1]۔ فقہاء اصولیین اور محدثین کے وضع کردہ اصولوں کے نہ صرف محتاج ہیں بلکہ ان اصولوں سے واقفیت حاصل کیے بغیر شریعت کی اصل غرض و غایت اور منشائے الٰہی تک نہیں پہنچ سکتے، سیرت نگاری میں جو بھی احکام کا استنباط کیا گیا تو یہاں بھی متقدمین و متاخرین سیرت نگار ان اصولوں سے بے نیاز نہیں ہو سکے لہٰذا فقہ السیرۃ کے تحت سیرت نگاروں کے ہاں ان اصولوں کا عمدہ اطلاق ملتا ہے۔ ذیل میں کتب سیرت میں وقائع سیرت سے اخذ و استنباط مسائل و احکام کے سلسلے میں اصول فقہ اور اصول حدیث کے اطلاق کی کچھ مثالیں الگ الگ پیش کی جاتی ہیں۔

اصول فقہ کا اطلاق

کتب سیرت میں استنباط احکام میں سیرت نگاروں نے اصول فقہ کے جن پہلوؤں کو مد نظر رکھ کر احکام کا استنباط کیا ہے ان میں سے اہم درج ذیل ہیں۔

(i) امر کی بحث سے متعلقہ امور کا اطلاق

امر سے مراد ایسا قول ہے جس میں کسی فعل کے کرنے کا مطالبہ کیا جائے[2]۔ یہ اصول فقہ کے اہم مباحث میں سے ایک ہے۔ سیرت نگار امر کے حوالے سے جن امور کو زیر بحث لائے ہیں ان میں سے چند اہم درج ذیل ہیں:

---

1 السعید، عبدالعزیز بن عبدالرحمن، ابن قدامہ و آثارہ الأصولیۃ، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، جامعۃ الإمام محمد بن سعود الإسلامیہ، ۱۴۰۸ھ، ۱۹۸۷ء، ص ۱۷۔۱۸

2 الآمدی، سیف الدین أبی الحسن علی بن ابی علی بن محمد، (م ۶۳۱ھ)، الاحکام فی أصول الاحکام، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۰۰ھ، ۱۹۸۰ء، ج ۲ ص ۱۸۸، الغزالی، محمد بن محمد ابو حامد، امام (۵۰۵ھ)، المستصفی من علم الاصول وبذیلہ فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، قم، منشورات الرضی، ۱۳۰۲ء، ص ۲۰۲

(۱) امر خاص اور امر عام میں ترجیح کا مسئلہ

(۲) امر پر فوری عمل کرنے یا نہ کرنے کی اصولی بحث

(۳) امر میں تکرار کا تقاضا یا عدم تکرار کی بحث

(۴) صیغۂ امر کے مختلف احتمالات و مشترکات

امر خاص اور امر عام میں ترجیح کا مسئلہ

امام ابن کثیر نے السیرۃ النبویۃ میں بنی قریظہ میں نماز پڑھنے کے حکم نبوی ﷺ (لا یصلین احدکم العصر الا فی بنی قریظۃ) کے حوالے سے اس امر پر بحث کی ہے کہ اس دن کون سا گروہ مصیب تھا (جس گروہ نے بنی قریظہ میں جا کر نماز پڑھی یا پھر وہ گروہ جس نے رستے میں ہی نماز پڑھ لی) ابن کثیر نے یہاں علماء کے ایک گروہ کا نقطۂ نظر پیش کیا ہے کہ جس گروہ نے رستے کی بجائے بنی قریظہ میں جا کر نماز پڑھی وہ مصیب گروہ ہے کیونکہ اس روز نماز کے مؤخر کرنے کا حکم خاص تھا لہٰذا اس خاص حکم کو عام حکم سے مقدم اور راجح قرار دیا جائے گا[1]۔

ابن کثیر الفصول فی سیرۃ الرسول میں غزوۂ بنی قریظہ کے تحت اسی فرمان نبوی ﷺ کے حوالے سے علماء کی آراء و خیالات بیان کرنے کے بعد بحث کو سمیٹتے اور امر خاص یا امر عام کی ترجیح کے مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے اس نقطۂ نظر کے حامل دکھائی دیتے ہیں کہ جس گروہ نے جہاد کے لیے جلدی کرتے ہوئے رستے میں نماز (بھی) پڑھ لی اور ادلہ کو جمع کر دیا (یعنی جہاد کے لیے تیزی سے سفر کیا اور حضور ﷺ کے فرمان کے مقصد کو سمجھتے ہوئے نماز کا وقت آنے پر رستے میں نماز بھی پڑھ لی)، ان کے لیے دو اجر ہیں اور جن لوگوں نے محض آپ ﷺ کے "امر خاص" کی حفاظت کی (اور اس کو مقدم رکھا) ان کے لیے ایک اجر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا[2]۔

امر پر فوری عمل کرنے یا نہ کرنے کی اصولی بحث

امر پر فوری عمل کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ بھی سیرت نگاروں کے ہاں زیر بحث لایا گیا ہے۔ کتب

---

1 ابن کثیر، عماد الدین ابو الفداء اسماعیل (م ۷۷۴ھ)، السیرۃ النبویۃ، تحقیق، ا۔ د۔ مصطفی عبد الواحد، القاھرہ، دار السلام ، ۱۴۳۲ھ، ۲۰۱۱ء، ج۳ص ۱۰۸۹۔

2 ابن کثیر، عماد الدین ابو الفداء اسماعیل (م ۷۷۴ھ)، الفصول فی سیرۃ الرسول، تحقیق، محمد العید الخطراوی۔ محی الدین مستو، بیروت، دار الکلم الطیب، ۱۴۲۰ھ، ۱۹۹۹ء، ص ۱۷۳

سیرت میں یہ مسئلہ صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ کا صحابہ کرامؓ کو قربانی و حلق کروانے کا حکم دینے اور ان کی عدم تعمیل فرمان نبوی ﷺ کے ضمن میں پایا جاتا ہے نیز فرضیت حج اور آپ ﷺ کے ۱۰ھ میں حج کرنے کے تذکرہ میں بھی اس کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ امام سہیلی صلح حدیبیہ میں آپ ﷺ کا صحابہ کرامؓ کو قربانی و حلق کروانے کا حکم دینے اور صحابہ کے تردد و ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کرنے کے حوالے سے صحابہؓ کے طرز عمل کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امر فوری طور پر کسی کام کو کرنے کا تقاضا نہیں کرتا[1]۔ جبکہ امام ابن قیم کا مؤقف اس کے بر عکس ہے وہ کہتے ہیں کہ امر مطلق کی فوری تعمیل ضروری ہے ورنہ نبی کریم ﷺ صحابہ کرامؓ کے فوری عمل نہ کرنے کی وجہ سے ناراض نہ ہوتے (البتہ) صحابہؓ کے تاخیر کرنے کا یہ عذر پیش کیا جا سکتا ہے کہ انہیں نسخ (حکم) کی امید تھی اسی لیے انہوں نے تاخیر کی۔ ابن قیم فرماتے ہیں۔

هذا الاعتذار أولى ان یعتذر عنه و هو باطل[2] یعنی یہ عذر خواہی اس سے بہتر ہے کہ ان (صحابہؓ) کی طرف سے کوئی باطل عذر پیش کیا جائے۔

صاحب بھجۃ المحافل نے ۵ھ کے واقعات میں فرضیت حج کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کے وجوب اور ادائیگی بعد از استطاعت میں تاخیر کو جائز قرار دیا ہے جبکہ مالکی حضرات کا نقطہ نظر بھی بیان کیا ہے کہ استطاعت کے بعد حج کی ادائیگی میں تاخیر جائز نہیں[3]۔ امام ابن کثیر نے ٦ھ کے واقعات میں حج کی فرضیت کے تذکرہ میں امام شافعیؒ کا نقطۂ نظر بیان کیا ہے کہ حج فوری واجب نہیں بلکہ اس میں (بعد از استطاعت) تاخیر جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حج ۱۰ھ میں کیا (جبکہ ابن کثیر کے نزدیک حج ٦ھ میں فرض ہوا) جبکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ادائیگی حج ہر صاحب استطاعت پر فوراً واجب ہے[4]۔

امر میں تکرار کا تقاضا یا عدم تکرار کی بحث

امر مطلق کے تکرار کا فائدہ دینے یا نہ دینے کے حوالے سے بھی ابحاث ملتی ہیں صاحب المواھب

---

1 السہیلی، عبدالرحمن بن عبدالملک بن أحمد بن أبی الحسن الخثعمی، (م۵۸۱ھ) الروض الانف فی تفسیر السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، القاھرہ، دارالحدیث۔ ۱۴۲۹ھ،۲۰۰۸ء، ۶۲،۴

2 ابن القیم، شمس الدین أبی عبداللہ محمد بن ابی بکر بن أیوب الجوزیۃ (م۷۵۱ھ)، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ ناشرون، ۱۴۳۱ھ، ۲۰۱۰ء، ۲۷۳،۳

3 العامری، یحییٰ بن أبی بکر بن محمد بن یحیی (م۸۹۳ھ)، بھجۃ المحافل وبغیۃ الاماثل فی تلخیص السیر والمعجزات والشمائل، تحقیق، ابو حمزہ أنور بن أبی بکر الشیخی الداغستانی، جدہ، دارالمنھاج، ۱۴۳۰ھ، ۲۰۰۹ء، ص۲۱۷

4 ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ۔ ۱۱۸۱،۳

اللدنیہ نے "فی لطیفة من عباداته" کے بیان میں اللہ تعالیٰ کے آپ ﷺ سے خطاب "{وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ (97) فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ (98) وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ}"[1] (اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ ان لوگوں کی باتوں سے آپ ﷺ اپنے سینۂ مبارک میں تنگی محسوس کرتے ہیں پس آپ ﷺ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی پاکیزگی بیان کریں اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں اور اپنے رب کی عبادت کریں حتیٰ کہ موت (کا وقت) آجائے)۔ کے تذکرہ میں خود ہی سوال اٹھایا ہے کہ عبادت کا حکم دینے میں "واعبد ربک "کافی تھا "حتی یاتیک الیقین "فرمانے میں کیا فائدہ ہے امام قسطلانی امام قرطبیؒ کے حوالے سے اس کا جواب نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام قرطبیؒ نے دوسروں کی اتباع کرتے ہوئے جواب دیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مطلقاً "و اعبد ربک "فرماتا تو پھر آپ ﷺ ایک مرتبہ عبادت کرتے تو حکم پر عمل ہو جاتا لیکن جب کہا گیا "حتی یاتیک الیقین "تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام زندگی اپنے رب کی عبادت کیجیے جس میں زندگی کے کسی لمحہ میں بھی تھکاوٹ محسوس نہ کریں اور نہ ہی خلل ڈالیں[2]۔

صیغۂ امر کے مختلف احتمالات و مشترکات

امر کی مباحث میں سے ایک اہم بحث صیغۂ امر کے مختلف احتمالات و مشترکات کی بحث بھی ہے امام شافعیؒ کے نزدیک) صحابہ کرامؓ کا نحر اور حلق دونوں کا حکم دیئے جانے کے باوجود عمل نہ کرنا اور توقف کرنا اس احتمال کو لیے ہوئے تھا کہ ان کے نزدیک وہ امر مندوب تھا یا (پھر) صحابہ کرامؓ کو نزول وحی کے ذریعہ ابطال صلح کی امید تھی[3]۔ امام حلبیؒ نے بھی فرضیت وضو اور نبی کریم ﷺ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف سے تعلیم وضو کی بحث میں لکھا ہے کہ امر کا صیغہ وجوب اور ندب کے درمیان مشترک ہوتا ہے[4]۔

---

1 الحجر: 97 - 99

2 القسطلانی، احمد بن محمد (م ۹۲۳ھ)، المواھب اللدنیة بالمنح المحمدیة، رضا عجرات الہند، مرکز اہل سنت برکات (س ن)، ۷، ۴۰۷، القرطبی، محمد بن احمد الانصاری، ابو عبد اللہ (۶۷۱ھ)، الجامع لاحکام القرآن، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۹۶۵ء، ۶۴، ۱۰

3 الشامی، محمد بن یوسف الصالحی، (۹۴۲ھ)، سبل الھدی والرشاد فی سیرة خیر العباد، تحقیق، الشیخ عادل احمد عبد الموجود، بیروت، دار الکتب العلمیة، ۲۰۰۷ء، ۱۴۲۸ھ، ۷۹، ۵

4 الحلبی، علی بن ابراہیم (م ۱۰۴۴ھ)، انسان العیون فی سیرة الامین المامون (السیرة الحلبیہ)، ضبط و تحقیق، عبد اللہ محمد الخلیلی، بیروت، دار الکتب العلمیة، ۲۰۰۸ء، ۳۷۸، ۱

امر نبوی، قول نبوی اور فعل نبوی ﷺ میں تعارض و ترجیح کے حوالے سے بھی سیرت نگاروں کے ہاں اہم مباحث ملتے ہیں مثلاً آپ ﷺ کا قضائے حاجت کے لیے قبلہ کی طرف منہ اور پیٹھ کر کے بیٹھنے سے منع فرمانا جبکہ آپ ﷺ کا خود بیت المقدس کی طرف اس مقصد کے لیے بیٹھنا ثابت ہے۔ امام قسطلانی نے جمہور کا مذہب ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ صحرا اور بستیوں میں قضائے حاجت کے حکم میں فرق ہے اور ادلہ کو جمع کرنے (اور ان پر عمل کرنے) کے حوالے سے یہ رائے سب سے زیادہ عدل پر مبنی ہے[1]۔ علامہ مقریزی نے اس حوالے سے "وأما أمر الکافة بالتأسی به قولا وفعلاً" کی فرع کے تحت بحث کی ہے اور امام شافعی اور امام کرخی کی آراء نقل کی ہیں نیز قول و فعل میں تعارض اور ان میں تقدیم کی عدم معرفت کی صورت میں کسی ایک کو اختیار کرنے کے اصول بیان کیے ہیں[2]۔ علاوہ ازیں حضرت میمونہؓ سے حالت احرام میں شادی اور آپ ﷺ کے قول "لا ینکح المحرم ولا ینکح ولا یخطب"[3] میں تعارض کو بھی ابن قیم نے اصولی بحث چھیڑتے ہوئے زاد المعاد میں حل کیا ہے[4]۔

(ii) حقیقی و مجازی معنوں کا جمع کرنا

حقیقت اور مجاز کو ایک لفظ میں ارادۃً جمع کرنا، کہ حقیقی معنی سے الگ حکم ثابت ہو اور مجازی معنی سے الگ، اصولیین کے ہاں زیر بحث رہا ہے مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ "شیر قتل نہیں کر سکتا" تو یہاں شیر سے حقیقی معنی "درندہ شیر" اور مجازی معنی "بہادر آدمی" دونوں اکٹھے مراد لیے جاسکتے ہیں (اگرچہ اس حوالے سے فقہاء کا اختلاف ہے جو کہ کتب اصول فقہ میں دیکھا جا سکتا ہے)[5]۔ وقائع سیرت سے استنباط احکام کے سلسلے میں سیرت نگاروں نے اصول فقہ کے زیر بحث اصول کا اطلاق بھی کیا ہے مثلاً امام زرقانی نے روایت "نھی یوم خیبر عن اکل الثوم و عن لحوم الحمر الأھلیة" سے لفظ کے حقیقی اور مجازی معنوں میں استعمال کا جواز

---

1 المواہب اللدنیہ۔ ۲،۳۲۳

2 المقریزی، احمد بن علی بن عبد القادر بن محمد، تقی الدین (۸۴۵ھ)، امتاع الأسماع بما للنبی ﷺ من الاحوال والأموال والحفدۃ والمتاع، تحقیق و تعلیق، محمد عبد الحمید النمیسی، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۰ھ، ۱۹۹۹ء، ۳،۱۶۲

3 سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، باب المحرم یتزوج، رقم الحدیث: ۱۸۴۱، صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم نکاح المحرم وکراہیۃ خطبتہ، رقم الحدیث: ۱۴۰۹

4 زاد المعاد ۳،۳۳۰

5 السبکی، تاج الدین عبد الوہاب بن علی بن عبد الکافی (۷۷۱ھ)، الابھاج فی شرح المنہاج، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۰۴ھ، ۱،۲۷۱

پیش کیا ہے کیونکہ اکل ثوم (لہسن کھانا) تو مکروہ ہے جبکہ گدھے کا گوشت حرام ہے پس لفظ "نہی" میں ان دونوں کو اکٹھا کیا گیا ہے اس نہی کا استعمال حقیقی معنوں میں تحریم کے لیے ہے اور مجازی معنوں میں کراہت کے طور پر استعمال کیا گیا ہے[1]۔

(iii) الفاظ کے ظاہری معنوں پر عمل کا جواز

الفاظ کے ظاہری معنوں پر اگر کسی نے خلوص نیت کے ساتھ عمل کیا (اگرچہ شارع کا مقصد وہ نہ ہو) تو فقہاء کے نزدیک ایسے شخص کا عمل قابل قبول ہے، جیسا کہ صحابہ کرامؓ کے ایک گروہ نے بنی قریظہ میں جاکر نماز پڑھی اور نبی کریم ﷺ کے الفاظ کے ظاہری معنوں کو دلیل بنایا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس عمل پر ناپسندیدگی کا اظہار نہیں فرمایا[2] امام سہیلی نے اس واقعہ سے آیت یا حدیث کے ظاہری معنوں پر عمل کرنے کا جواز نکالا ہے[3]۔ نیز گفتگو میں احتمال کے باوجود ترک وضاحت بھی امام سہیلی کے نزدیک عموم کا فائدہ دیتی ہے[4]۔ ابن قیم کے نزدیک بھی کلام کے اطلاق کے وقت اس کے ظاہری معنیٰ ہی لیے جائیں گے جب تک کہ ان (ظاہری معنی) کے خلاف کوئی دلیل قائم نہیں ہو جاتی[5]۔

بھجۃ المحافل کے مصنف یحییٰ بن أبی بکر العامری نے سریہ زید بن حارثہؓ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ جب حضرت اسامہ کو جہینۃ کی طرف بھیجا گیا تو انہوں نے وہاں ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جس نے قبل از قتل "لا الہ الا اللہ" کہہ دیا تھا لیکن اس کے باوجود حضرت اسامہؓ نے اسے قتل کر دیا نبی کریم ﷺ تک جب یہ بات پہنچی تو آپ ﷺ نے حضرت اسامہؓ سے فرمایا یا أسامة أقتلته بعد ماقال "اے اسامہؓ کیا تو نے اسے قتل کر دیا بعد اس کے کہ اس نے جو کہا۔" حضرت اسامہؓ نے فرمایا۔ یارسول اللہ ﷺ! اس نے جان بچانے کی

---

1 الزرقانی، محمد بن عبد الباقی (۱۱۲۲ھ)، شرح العلامۃ الزرقانی علی المواھب اللدنیہ بالمنح المحمدیۃ، بیروت، دار المعرفۃ۔ ۱۹۹۳ء، ۳،۲۷۵

2 الروض الانف ۳،۴۶۳، زاد المعاد ۳،۱۱۸، ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ أبی عمر (م ۴۶۳ھ)، الدرر فی اختصار المغازی والسیر، بیروت، المکتبۃ العصریۃ، ۱۴۲۹ھ، ۲۰۰۸ء، ص ۱۶۸، ابن حزم، علی بن احمد بن سعید، أبی محمد (م ۴۵۶ھ)، جوامع السیرۃ، تحقیق، الدکتوراحسان عباس، لاھور، دار نشر الکتب الاسلامیۃ (س ن) ص، ۱۹۲، المواھب اللدنیہ ۱،۴۶۲، بھجۃ المحافل، ص ۲۱۲، سبل الھدی ۵،۴

3 الروض الانف ۳،۴۶۳

4 ایضاً ۳،۲۷۷

5 زاد المعاد ۳،۵۶۳

خاطر ایسا کہا تھا(إنما قالها خوفامن السلاح)تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:"أفلا شققت عن قلبه حتى تعلم أقالها خوفا ام لا(تونے اس کا قلب چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا یہاں تک کہ تو جان لیتا کہ اس نے ایسا خوف کے تحت کہا یا نہیں)۔

صاحب بھجۃ المحافل نے اس واقعہ کا تذکرہ کرنے اور حضرت اسامہؓ اور حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے درمیان مکالمہ ذکر کرنے کے بعد نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ احکام شریعت کا تعلق ظاھری چیزوں پر ہے نہ کہ مخفی۔ لکھتے ہیں:"ففي هذا: أن الأحكام الشرعية تناط بالمظان والظواهر لا على القطع واطلاع السرائر"[1]

"احکام شرعیہ کا ظواہر کے ساتھ تعلق ہے نہ کہ قلبی ارادوں اور رازوں کی آگاہی سے"

غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے اصحاب ثلاثہ کے معاشرتی مقاطعہ میں نوبت یہاں تک پہنچی کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حکم فرمایا کہ یہ لوگ اپنی بیویوں سے بھی الگ ہو جائیں حضرت کعب بن مالکؓ کے پاس رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ایلچی جب یہ حکم لے کر آیا تو انہوں نے اپنی بیوی سے کہا"إلحقي باهلك"(تو اپنے میکے چلی جا)ابن قیم نے یہاں بحث اٹھائی ہے کہ" إلحقي باهلك" جیسے کنایتی الفاظ سے اس وقت تک طلاق واقع نہیں ہوتی جب تک کہ نیت نہ کی جائے[2]۔

(iv) قواعد کلیہ کے اطلاق کے ذریعہ استنباط احکام

قواعد کلیہ کی معرفت اور ان کے ذریعہ فروعی احکام کا استنباط ہی درحقیقت اصول فقہ ہے [3] اصولیین کے وضع کردہ قواعد کلیہ بنیادی اہمیت کے حامل اور استنباط احکام میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ اصولیین کے نزدیک قاعدہ سے مراد وہ اصول (حکم) ہے جو کلی نہ ہو اکثریتی ہو اور اپنے تحت آنے والی اکثر جزئیات پر اس کا اطلاق ہو تاکہ ان جزئیات کا فقہی حکم اس سے معلوم کیا جاسکے[4] اصولیین کے وضع کردہ اصول و قواعد ان کی ذاتی اختراع نہیں بلکہ قرآن وسنت کی نصوص سے اخذ شدہ ہیں استنباط احکام کے سلسلے میں

---

1 بھجۃ المحافل، ص ۳۲۲۔۳۲۳، ۳۴۰، السیرۃ النبویۃ لابن ھشام ۲/۱۷۴، زاد المعاد ۳/۵۰۴

2 زاد المعاد ۳/۵۱۰۔۵۱۱

3 ابن نجیم، زین العابدین بن ابراہیم (م ۹۷۰ھ)، الاشباہ والنظائر علی مذھب أبی حنیفۃ النعمان، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۰۰ھ، ۱۹۸۰ء، ص ۱۵

4 السبکی، تاج الدین عبد الوہاب بن علی بن عبد الکافی، الأشباہ والنظائر، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۱ھ، ۱۹۹۱ء۔ ۱/۲۱

قواعد کلیہ کا اطلاق بھی کیا گیا ہے اور احکام مستنبطہ پر ان قواعد کے ذریعہ دلیل قائم کی گئی ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں مختلف کتب سیرت میں موجود ہیں۔ قاعدہ کی مذکورہ بالا تعریف کو سامنے رکھا جائے تو اس حوالے سے ایک اہم مثال حشیش کی حلت و حرمت کے حوالے سے دی جا سکتی ہے حشیش چونکہ بعد کے زمانہ کی پیداوار ہے اور عصر نبوت، عصر صحابہؓ اور پھر ائمہ اربعہ کے دور میں اس کا وجود نہیں تھا اس لیے اس کی حلت و حرمت کے بارے میں کوئی حکم موجود نہیں۔ امام قسطلانی شراب کی حرمت کے تذکرہ میں حشیش کا مسئلہ زیر بحث لاتے ہوئے امام نووی کی یہ رائے بیان کرتے ہیں کہ تھوڑی حشیش، جو نشہ نہ دے، جائز ہے بخلاف خمر کے کیونکہ خمر اگر تھوڑی سی ہو اور نشہ نہ بھی دے تو وہ پھر بھی حرام ہے ان میں فرق یہ ہے کہ حشیش طاہر ہے اور خمر نجس ہے پس شراب کی نجاست کی وجہ سے اس کا قلیل مقدار میں استعمال بھی حرام ہے۔ امام قسطلانی لکھتے ہیں کہ امام زرکشی نے اس مسئلہ پر امام نووی کا تعقب کیا اور حدیث صحیح کی روشنی میں اخذ کردہ اصول "ما أسکر کثیرہ فقلیلہ حرام"[1] کے تحت اس کو بھی حرام قرار دیا اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ حشیش کم ہو یا زیادہ اس کا استعمال جائز نہیں[2]

صلح حدیبیہ میں مشرکین کے ساتھ ایسی شرائط پر معاہدہ کیا گیا جو بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں نبی کریم ﷺ کا ان شرائط پر معاہدہ کر لینا بہت دانشمندانہ اور جرأت مندانہ فیصلہ تھا فقہاء نے اس معاہدہ کے حوالے سے جن امور سے بحث کی ہے ان میں سے اہم درج ذیل ہیں۔

(۱) کیا کفار کے ساتھ ایسی شرائط پر صلح ہو سکتی ہے جو بظاہر مسلمانوں کے خلاف ہوں۔

(۲) کیا کفار کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کرنا فی نفسہ درست ہے یا نہیں۔

(۳) دس سال سے زائد عرصہ کے لیے صلح کرنا جائز ہے یا نہیں۔

(۴) کیا کفار سے مال لیے بغیر صلح کی جا سکتی ہے یا نہیں۔

(۵) کیا کفار کو مال دے کر صلح مباح ہے یا نہیں۔ بعض سیرت نگار حضرات نے کفار کے ساتھ صلح کے جواز کی بات تو کی ہے البتہ دس سال سے زائد عرصہ کے لیے صلح کرنے پر اعتراض کیا ہے جبکہ کچھ سیرت نگاروں کے نزدیک فقہی نقطہ نظر سے کفار کو مال دے کر صلح کرنا بھی جائز ہے جبکہ کچھ کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں۔

---

1 سنن ابی داؤد، کتاب الاشربۃ، باب النہی عن المسکر، رقم الحدیث:۔۳۶۸۱

2 المواھب اللدنیہ ۱/۵۱۱۔۵۱۶

بیشتر سیرت نگاروں کے نزدیک مندرجہ بالا تمام امور ایسی صورت میں جائز ہیں جب مسلمانوں کی اس میں کوئی مصلحت ہو اگر مسلمان کمزور ہیں یا مسلمانوں کے نقصان وہلاکت کا خدشہ ہے اور کوئی چارہ کار نہیں تو ایسی صلح کرنا جائز ہے سیرت نگاروں نے مندرجہ بالا اجازت فقہی قاعدہ "اذا تعارضت مفسدتان روعی أعظمهما ضراراً بارتكاب أخفهما"[1] اور اسی طرح کے دیگر قواعد کو مد نظر رکھ کر دی ہے۔ امام ابن قیم معاہدہ حدیبیہ سے ماخود فقہی احکام کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ مصالحة المشركين ببعض مافيه ضيم على المسلمين جائزة للمصلحة الراجحة ودفع ماهو شرمنه، ففيه دفع أعلى المفسدتين باحتمال أدناهما[2]۔

"مصلحت راجحہ کے لیے مشرکین کے ساتھ ایسی صلح بھی جائز ہے جس میں اگرچہ مسلمانوں کے ساتھ زیادتی ہو پس اس میں اس بات کا جواز ہے کہ دو برائیوں میں سے چھوٹی کو قبول کرکے بڑی برائی کو دور کیا جاسکتا ہے۔"

اسی طرح علامہ ابو بکر العامری نے صلح حدیبیہ اور اس کی شرائط پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔

وقد قال أهل التحقيق والنظر بجواز إحتمال المفسدة اليسيرة لدفع أعظم منها[3] محققین اور اہل نظر لوگوں نے بڑی برائی دور کرنے کے لیے چھوٹی برائی کے قبول کرنے کا جواز پیش کیا ہے۔

اسی طرح کے دیگر قواعد کی روشنی میں احکام میں حلت و حرمت پر دلائل کے سلسلے میں قواعد کلیہ سے مدد لی گئی ہے کلامی مسائل میں بھی اصولی قاعدوں کے اطلاق کی مثالیں ملتی ہیں جیسا کہ آپ ﷺ کے والدین کی نجات پر استدلال کے لیے قاعدہ "شکر المنعم واجب بالسمع"[4] اور التحسين والتقبيح العقليان،[5] وغیرہ سے مدد لی گئی ہے۔ علامہ شامی کے ہاں اس حوالے سے عمدہ اور تفصیلی بحث ملتی ہے[6]۔

---

1 بهجة المحافل ۳۴۰،۳۲۳، ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، ص ۸۹، السیوطی، عبد الرحمن بن ابی بکر (۹۱۱ھ)، الاشباہ والنظائر، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۰۳ھ، ص ۸۷

2 زاد المعاد ۱۷۳،۲۷۲،۳

3 بهجة المحافل- ص ۲۴۱، المجموع الفتاوی، ۴۸،۲۰

4 سبل الهدی والرشاد ۱، ۲۵۰، السبکی، الأبهاج ۱۳۹،۱،۱، المستصفی ۶۱،۱

5 سبل الهدی والرشاد ۱، ۲۵۰، ابو المعالی، کتاب التلخیص فی أصول الفقہ ۱۵۷،۱

6 سبل الهدی والرشاد۔ ۲۴۹،۱

(۷) فقہی احکام کی درجاتی تعین میں اختلاف

احکام کی درجہ بندی اصول فقہ کی ایک اہم اور پیچیدہ بحث ہے۔ فقہی احکام کی درجاتی تعیین میں احکام پر عمل کی مختلف حیثیتوں سے بحث کی جاتی ہے اور کسی چیز کے فرض، واجب، مندوب، مباح، مکروہ اور حرام وغیرہ ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے[1]۔ متقدمین اور متاخرین کی کتب سیرت میں کتب فقہ اور فقہاء کی طرز پر احکام کی درجاتی تعیین کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے مثلاً آپ ﷺ کے نزع کے وقت حضرت عائشہؓ نے حضور ﷺ کو مسواک نرم کر کے پیش کی جس کے ساتھ حضور ﷺ نے مسواک کی۔ امام سہیلیؒ فرماتے ہیں کہ اس (یعنی آپ ﷺ کے مسواک کرنے) میں فقہی مسئلہ یہ ہے کہ موت کے لیے پاک صاف ہونا مستحب ہے نیز جس آدمی کو اپنی موت یا قتل کا احساس (خبر) ہو تو اس کے لیے وہ تیاری کرے جس طرح حضرت خبیبؓ نے کیا تھا کیونکہ میت اپنے رب کے حضور جانے والی ہے[2]۔

ابو قحافہ والد گرامی حضرت ابو بکرؓ صدیق کو آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ "غیروا هذا من شعره"۔ امام سہیلیؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا یہ فرمانا بطور استحباب ہے نہ کہ بطور وجوب۔ کیونکہ بہت سی احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے سفید بالوں کو رنگ (خضاب) نہیں لگایا[3]۔

روایات معراج میں امام حلبیؒ نے حمام کے تذکرہ میں حمام میں نہانے کے جواز یا عدم جواز کے حوالے سے بحث کی ہے اور حاصل کلام کے طور پر مختلف لوگوں کے لیے مختلف صورتوں میں اس کے واجب، حرام، مندوب، مکروہ اور مباح ہونے کا حکم لگایا ہے[4]۔

احکام کی درجہ بندی میں بعض سیرت نگاروں کے ہاں اختلاف بھی ہے مثلاً کافر کے قبول اسلام کے وقت غسل کرنا امام سہیلی کے نزدیک مستحب ہے جبکہ امام ابن قیم اس کو واجب قرار دیتے ہیں اس طرح کی دیگر امثلہ بھی کتب سیرت میں موجود ہیں[5]۔

---

1 الآمدی، الاحکام فی اصول الاحکام۔ ۱،۵۰۔۶۵

2 الروض الانف ۴،۴۶۴

3 ایضاً، ۴،۱۷۶

4 "والحاصل أن الحمام تعتريه الأحكام الخمسة، فيكون واجباً وحراماً ومندوباً ومكروهاً ومباحاً" (دیکھیے: السیرة الحلبیہ ۱،۵۳۱)

5 الروض الانف ۲،۲۸۷، زاد المعاد۔ ۳،۵۴۸

(vi) نسخ احکام اور اصولی مباحث

سابق حکم شرعی کو بعد کی کسی شرعی دلیل کے ذریعہ ختم کر دینے کا نام نسخ ہے[1] نسخ اصول فقہ کے اہم مباحث میں سے ایک ہے احکام اخذ کرنے اور ان پر عمل کرنے سے قبل ناسخ و منسوخ کی معرفت نہ صرف ضروری بلکہ بنیادی شرائط میں سے ہے۔

کتب سیرت میں اصول فقہ کی اس اہم بحث سے متعلقہ امور بھی زیر بحث لائے گئے ہیں مثلاً سفر معراج میں پچاس نمازوں کی فرضیت کے بعد پانچ نمازوں کا رہ جانا اس حوالے سے ایک اہم مثال ہے۔ کتب سیرت میں سیرت نگاروں نے اصولی بحث چھیڑی ہے کہ کیا عبادت پر عمل سے قبل اس کا نسخ جائز ہے یا نہیں[2]۔ تحویل قبلہ کا اہل قباء کو اگلے دن فجر کی نماز میں پتہ چلا۔ امام قسطلانی لکھتے ہیں کہ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ ناسخ کا حکم اس وقت لازم ہوتا ہے جب اس کا علم ہو جائے اگرچہ اس حکم کا نزول پہلے ہو چکا ہو کیونکہ اہل قباء کو عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں لوٹانے کا حکم نہیں دیا گیا تھا[3]۔

(vii) متفرق اصولی بحثیں

مندرجہ بالا اصولی مباحث کے علاوہ دیگر بہت سی اہم اصولی ابحاث بھی کتابوں میں ملتی ہیں مثلاً

(ا) نبی کریم ﷺ مامور بالاجتهاد تھے کہ نہیں[4]۔

---

1 الشاطبی، ابراہیم بن موسی بن محمد اللخمی الغرناطی (م ۷۹۰ھ)، الموافقات فی اصول الشریعۃ، تحقیق، الدکتور محمد الاسکندرانی، عدنان درویش، بیروت، دارالکتاب العربی ۱۴۲۳ھ، ۲۰۰۲ء، ۳، ۵۲۰، النسفی، عبداللہ بن احمد بن محمود (م ۷۱۰ھ)، کشف الأسرار شرح المصنف علی المنار، مکۃ المکرمۃ، مکتبۃ دارالباز، ۱۹۸۶ء ۱۳۹، ۲

2 علامہ شامی نے سبل الھدی میں "جوازالنسخ قبل التمكن من الفعل قبل دخول الوقت" کے تحت اہل سنت اور معتزلہ کا نقطۂ نظر بیان کیا ہے اہل سنت اس نسخ کے حامی ہیں جبکہ معتزلہ اس کو رد کرتے ہیں مصنف موصوف اس نقطۂ نظر کے پوری طرح حامی نظر آتے ہیں کہ عبادت میں قبل از عمل نسخ جائز ہے:(دیکھئے: الشامی، سبل الھدی، ۱۵۱، ۳، الروض الانف ۲۳۳، ۲، النحاس، الناسخ والمنسوخ، ص ۶۲، ۶۳۹، ابن العربی، المحصول فی اصول الفقہ، ص ۱۴۷)

3 المواھب اللدنیہ ۳۴۴، ۱، شرح الزرقانی ۲۴۵، ۲

4 بھجۃ المحافل ص۔ ۱۴۵، السیرۃ الحلبیہ۔ ۲۶۲، ۲، دحلان، احمد بن زینی (م ۱۳۰۴ھ)، السیرۃ النبویۃ، بیروت، دارالفکر ۱۴۲۱ھ، ۲۰۰۱ء، ۴۰۱، ۱

(۲) آپ ﷺ کے زمانہ اور بعد کے ادوار میں اجتہاد کی اہمیت وحیثیت[1]۔

(۳) تقلید کا جواز وعدم جواز[2]۔

(۴) علت اور حکم کے رشتے کا بیان[3]۔

(۵) نماز میں دخول سے قبل کیفیت نماز جاننے کے لازم ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ[4]۔

(۶) ثواب سمجھ کر معصیت کا ارتکاب کرنے والے شخص کا حکم[5]۔

(۷) نفی کرنے یا ثابت کرنے والے کی گواہی میں ترجیح کا مسئلہ[6]۔

(۸) کسی کو خلاف استطاعت تکلیف دینے یا نہ دینے کا جواز وعدم جواز۔

(۹) عوام الناس کے لیے تقلید محض کی شرعی حیثیت وجواز وغیرہ

بنو سعد بن بکر کا نمائندہ ضمام بن ثعلبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے رسول اللہ ﷺ کے کسی قاصد یا ایلچی سے ارکان اسلام کے متعلق سن رکھا تھا وہ آیا اور اس نے آپ ﷺ کے سامنے ہر فریضہ اسلام کا باری باری ذکر کیا اور آپ ﷺ کو خدا کا واسطہ دے کر تصدیق چاہی۔ جس پر حضور ﷺ اس کی تصدیق کرتے چلے گئے۔ جب وہ تمام سوالات کر چکا تو اس نے کلمہ شہادت پڑھا، مسلمان ہوا اور کہا کہ میں اس پر نہ تو کچھ اضافہ کروں گا اور نہ ہی ان میں سے کچھ کم کروں گا آپ ﷺ نے فرمایا اگر یہ سچا ہے تو ضرور جنت میں داخل ہوگا[7]۔

صاحب بهجة المحافل علامہ ابو بکر العامری نے اس حدیث کے فوائد کا تذکرہ کرتے ہوئے ابن الصلاح کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس واقعہ میں معتزلہ حضرات کے برعکس ان ائمۃ العلماء کے لیے دلالت صحت ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مقلد عوام مومن ہیں اور ان کے لیے مجرد اعتقاد رکھنا بغیر تردد وتزلزل کے کافی ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ضمام بن ثعلبہ کو اسی پر برقرار رکھا جو وہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی نبوت و

---

1 المواہب اللدنیہ، ۱،۴۶۷

2 بهجة المحافل، ص ۳۴۰

3 الروض الانف، ۳،۱۷۳

4 السیرۃ الحلبیہ، ۱،۵۷۹

5 جوامع السیرۃ، ص ۱۹۲

6 المواہب اللدنیہ، ۱،۵۹۱

7 بهجة المحافل، ص ۲۲۰، السیرۃ النبویۃ لابن ہشام۔ ۴،۲۱۹

رسالت کے بارے میں جانتا تھا اس کی باتوں کا انکار نہیں کیا اور نہ ہی اس سے یہ کہا کہ تجھ پر میرے معجزات کی معرفت اور ادلہ قطعیہ کے ذریعہ ان کی پہچان ضروری ہے[1]۔

استنباط احکام میں اصول حدیث کا اطلاق

اخذ احکام میں اصول فقہ کے ساتھ ساتھ سیرت نگاروں نے اصول حدیث سے بھی کام لیا ہے اور احکام سے متعلقہ احادیث اور روایات و اخبار پر تنقیدی نظر ڈالتے ہوئے اصول حدیث کی روشنی میں ان کے احکام کے لیے حجت ہونے یا نہ ہونے کے امر سے بحث کی ہے۔ اصول حدیث کے حوالے سے سیرت نگاروں نے اگر ایک طرف راویان احادیث پر نقد و جرح سے کام لیا ہے تو دوسری طرف سند و متن کے حوالے سے روایت و درایت کے اصولوں کو بھی پیش نظر رکھتے ہوئے احادیث پر صحت وضعف کا حکم لگایا ہے۔ نیز روایات میں تعارض کی صورت میں تطبیق کی کوشش کی ہے یا ناسخ و منسوخ کا تعین کرتے ہوئے ناسخ پر عمل کرنے کی دعوت دی ہے اور منسوخ کی نشاندہی کی ہے۔

مندرجہ بالا امور سے متعلقہ کچھ مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں جن میں اصول حدیث کے اطلاق کے حوالے سے سیرت نگاروں کے منہج و اسلوب کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔

(i) راویان احادیث پر نقد وجرح

ایسی احادیث جو اخذ احکام کا احتمال رکھتی ہیں اگر ان کے راویوں میں سے کوئی راوی ایسا ہے جس پر محدثین نے نقد و جرح کی ہے تو سیرت نگار حضرات نے اس کا تذکرہ کر دیا ہے مثلاً امام سہیلی نے فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ کے باب الکعبہ پر خطبہ کی شرح کے ضمن میں دیات کا تذکرہ کیا ہے اور قتل عمد اور شبہ عمد میں دیت اور قصاص لینے کے حوالے سے اہل عراق، اہل حجاز اور امام شافعی سمیت فقہاء کی آراء اور اختلاف کا تذکرہ کیا ہے۔ نیز حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت علیؓ سے مروی روایات ذکر کی ہیں جن کے مطابق قصاص صرف ایسی صورت میں لیا جائے گا جب مقتول کو لوہے یا تلوار سے قتل کیا جائے گا (نہ کہ کوئی آدمی جان بوجھ کر چابک یا ڈنڈے کے ساتھ کسی کو قتل کرے یہ شبہ عمد ہے اہل عراق ایسے قتل میں قصاص کے قائل نہیں جبکہ امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ ایسی صورت میں دیت مغلظہ ہو گی اور جانور تین قسم کے ہوں گے فقہاء حجاز کے نزدیک قتل عمد میں صرف قصاص ہو گا جبکہ قتل خطاء میں پانچ قسم کے جانور دیت

1 بهجة المحافل، ص ۲۲۰، شرح النووی ۱۷۰،۱۷۱-۱۷۱

میں لیے جائیں گے) امام سہیلی لکھتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت "لاقود الا بحدیدۃ"[1] ابو معاذ سلیمان بن ارقم کے گرد گھومتی ہے جو کہ بالاجماع ضعیف ہے[2] اسی طرح عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت "لاقود الا بحدیدۃ" معلی بن ہلال کے گرد گھومتی ہے وہ بھی ضعیف اور متروک الحدیث ہے[3] علاوہ ازیں حضرت علیؓ کی روایت "لاقود الا بالسیف" اپنی سند کی وجہ سے حجت نہیں۔ دوسرے لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ قاتل کو قتل کیا جائے گا چاہے اس نے کسی انداز میں بھی قتل کیا ہو تو ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "{فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ}"[4] اور یہودی والی حدیث (بھی ان کی دلیل ہے) کہ جس یہودی نے عورت کا سر اس کے زیورات کی وجہ سے کچل دیا تھا تو نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ اس یہودی کا سر بھی دو پتھروں کے درمیان کچل دیا جائے[5]۔ گویا امام سہیلی دوسرے نقطۂ نظر کی تائید کرتے نظر آتے ہیں اور پہلی رائے (کہ قصاص صرف لوہے یا تلوار سے قتل کی صورت میں لیا جائے گا) کو راویوں کے ضعیف اور متروک الحدیث ہونے کی بنیاد پر رد کرتے ہیں اسی طرح ختنہ کے وجوب کے حوالے سے ابوداؤد کی روایت "ألق عنك شعر الكفر واختتن"[6] کے راوی اور اس کے باپ کے مجہول ہونے اور روایت کے عدم حجت ہونے کے حوالے سے بحث شرح العلامۃ الزرقانی میں دیکھی جا سکتی ہے[7]۔

---

1 طحاوی، شرح معانی الآثار، کتاب الجنایات، باب کیفیۃ القصاص ۱۸۴،۳

2 الجرجانی، عبداللہ بن عدی (م ۳۶۵ھ)، الکامل فی ضعفاء الرجال، بیروت، دارالفکر، (س ن)، ۱۱۰۰،۳، ابن حماد العقیلی، محمد بن عمرو بن موسیٰ (م ۳۲۲ھ)، الضعفاء الکبیر، بیروت، دارالکتب العلمیہ (س ن)۔ ۱۲۱،۲

3 الذہبی، عبداللہ بن محمد بن احمد بن عثمان (م ۷۴۸ھ)، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، بیروت، دارالمعرفۃ، ۱۵۲،۴، ایضاً، دیوان الضعفاء والمتروکین، بیروت، دارالقلم۔ ۱۹۸۸،۱۴۰۸ء۔ ۳۷۲،۲

4 البقرۃ: ۱۹۴

5 الروض الانف ۱۸۶،۴۔۱۸۷، صحیح مسلم، کتاب القسامۃ، باب ثبوت القصاص فی القتل، رقم الحدیث: ۱۶۷۲

6 سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب فی الرجل یسلم فیؤمر بالغسل، رقم الحدیث: ۳۵۶

7 جہاں تک ابوداؤد کی روایت کا معاملہ ہے تو ابن حجر نے وضاحت کی ہے کہ اس روایت کی سند ضعیف ہے جبکہ امام ذہبی نے اسے منقطع کہا ہے اور ابن القطان نے عثیم اور اس کے باپ (راویان حدیث) دونوں کو مجہول قرار دیا ہے۔ (زرقانی، شرح الزرقانی، ۲۴۲،۱ فتح الباری ۳۴۱،۱۰، العراقی، عبدالرحیم بن الحسین، ابوالفضل (م ۸۰۶ھ)، ذیل میزان الاعتدال، بیروت، دارالکتب العلمیۃ، ۱۴۱۶ھ، ۱۹۹۵م، ص ۱۷۵)

(ii) روایات کے ضعف واضطراب کی نشاندہی

روایات کے ضعف واضطراب اور ان کے منکر وغریب ہونے کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ مثلاً شہید کو غسل نہ دینے، اس پر نماز جنازہ نہ پڑھنے اور کپڑوں سمیت اس کی تدفین کو امام ابن قیم نے سنت قرار دیا ہے۔ چنانچہ جس روایت میں حضرت حمزہؓ کو کسی دوسرے کپڑے میں دفن کیے جانے کا تذکرہ ہے تو اس کے بارے میں ابن قیم لکھتے ہیں:

"وھذاالقول فی الضعف نظیر قول من قال: یغسل الشھید، وسنة رسول اللهﷺ أولی بالاتباع"[1](پس یہ قول ضعف میں اس قول کی مانند ہے جس نے کہا کہ شہید کو غسل دیا جائے گا پس رسول اللہ ﷺ کی سنت زیادہ لائق اتباع ہے)۔

فرضیت حج کے تذکرہ میں علامہ ابو بکر العامری نے لکھا ہے کہ حج وعمرہ زندگی میں صرف ایک مرتبہ فرض ہیں بعض لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ حج ہر پانچ (۵) سال میں ایک مرتبہ فرض ہے اور اس کی بنیاد اس روایت کو بنایا "إن عبداً و سعت علیه فی الرزق لم یفدالی فی کل خمسة أعوام لمحروم"[2](اگر بندے کو رزق میں فراخی عطا کی جائے پھر وہ ہر پانچ سال کے بعد میرے (گھر کی) زیارت کو نہ آئے تو یقیناً وہ محروم ہے)۔ علامہ ابو بکر العامری کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں اس کو بالاجماع رد کیا گیا ہے[3]۔

امام سہیلیؒ نے حضرت جعفرؓ کے غزوہ موتہ میں اپنے گھوڑے کو (اس خوف سے کہ دشمن اس پر قابو پا کر مسلمانوں کے خلاف استعمال کرے گا) زخمی کرنے کی روایت سے دوران جنگ جانور کو زخمی کرنے کے جواز پر دلیل پکڑی ہے اور لکھا ہے کہ یہ صورت اس نہی میں داخل نہیں جس میں اس بات کی تصریح ہے کہ جانوروں کو عذاب دینا اور انہیں بے مقصد قتل کرنا جائز نہیں۔ اس کے ساتھ ہی امام سہیلیؒ اور علامہ زرقانی نے

---

1 زاد المعاد۔ ۱۹۵،۳

2 بھجۃ المحافل، ص ۲۱۷، صحیح ابن حبان ۶،۷ (۳۷۰۳)، مصنف عبد الرزاق ۔۱۳،۵ (۸۸۲۶)، المعجم الاوسط، ۳۰۰،۱ (۴۹۰)، مجمع الزوائد ۲۰۶،۳

3 بھجۃ المحافل، ص۔۲۱۷، یہ روایت صحیح ابن حبان، المعجم الأوسط، مصنف عبد لرزاق،، مجمع الزوائد و دیگر کتب احادیث میں "إن عبدا أصحت له جسمه ووسعت علیه فی المعیشة تمضی علیه خمسة أعوام لایفدإلی لمحروم" کے الفاظ کے تحت وارد ہوئی ہے علامہ البانی نے اس روایت کو درست قرار دیا ہے۔ دیکھئے (الألبانی، محمد ناصر الدین، السلسلة الصحیحة، الریاض، مکتبة المعارف، (س ن) ۲۲۱،۴، الألبانی، محمد ناصر الدین، صحیح الترغیب والترھیب، الریاض، مکتبة المعارف (س ن) ۲۰۲۰

ابوداؤد کے حوالے سے اس امر کی وضاحت بھی کر دی ہے کہ یہ حدیث قوی نہیں (لیس هذا الحدیث بالقوی)[1]

ہجرت حبشہ کے تذکرہ میں امام سہیلی نے حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کی روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے پوچھا یارسول اللہ ہم کشتی میں نماز کیسے پڑھیں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا "صل قائما الأن تخاف الغرق" (اگر غرق ہونے کا خطرہ نہ ہو تو کھڑے ہو کر نماز ادا کرو) امام سہیلی لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی دار قطنی نے تخریج کی ہے لیکن اس کی سند میں کلام ہے اور مسند ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت انسؓ نے کشتی میں بیٹھ کر نماز ادا کی۔ امام بخاری نے حضرت حسن سے روایت (وذکر البخاری عن الحسن : یصلی قائماً الا أن یضُرّ بأهلها)[2] کیا ہے کہ وہ کشتی میں کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے تھے جب تک کہ اہل سفینہ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہوتا۔[3]

فتح مکہ کے موقع پر حضرت ابو بکر صدیقؓ کے والد گرامی (حضرت ابو قحافہ) کے قبول اسلام کے وقت آپ ﷺ نے ان کا سفید سر اور سفید داڑھی دیکھ کر فرمایا "غیروا هما وجنبوا هما السواد" (ان دونوں کے رنگ کو بدل دو اور (ہاں) سیاہی سے بچنا) امام حلبی نے یہاں خضاب کے استعمال کے جواز اور خضاب کے رنگ کے حوالے سے گفتگو کی ہے اور مختلف روایات بیان کی ہیں جن میں سے بعض روایات پر "انه حدیث منکر" اور "هو غریب جدا" جیسے الفاظ سے حکم لگایا ہے۔[4]

---

1 الروض الانف ۴،۱۳۹، سبل الھدی والرشاد۔ ۶،۱۵۷، شرح العلامۃ الزرقانی ۳،۳۴۷، ابوداؤد، کتاب الجھاد، باب الدابۃ تعرقب فی الحرب، رقم الحدیث:،۲۵۷۵

2 الروض الانف ۲،۱۳۰، الدارقطنی، علی بن عمر، أبو الحسن (۳۸۵ھ)، سنن الدارقطنی، بیروت، دارالمعرفۃ، ۱۳۸۶ھ، ۱۹۶۶ء، ۱،۳۹۵، مصنف ابن ابی شیبہ ۲،۲۶۶، صحیح البخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ علی الحصیر۔

3 ابن رجب الحنبلی اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ: واکثر العلماء علی أن المصلی فی السفینة یلزمه أن یصلی قائماً اذا قدر علی ذلک من غیر ضرر وهو قول مالک والثوری والشافعی وأحمد۔ دیکھئے: ابن رجب، زین الدین عبد الرحمن بن أحمد الحنبلی (م ۷۹۵ھ)، فتح الباری شرح صحیح البخاری، تحقیق، محمود بن شعبان، المدینۃ النبویہ، مکتبۃ القرباء الاثریہ، ۱۴۱۷ھ، ۱۹۹۶ء، ۳،۹، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۱،۱۰۹۔۱۱۰

4 السیرۃ الحلبیہ ۳،۱۲۷، اس حوالے سے امام سہیلیؒ اور امام شامی کے نقطۂ نظر کے لیے دیکھئے: الروض الانف ۴،۱۷۶، سبل الھدی والرشاد ۵،۲۳۳

(iii) روایات میں ناسخ و منسوخ کا تعین

الناسخ والمنسوخ فی الحدیث اصول حدیث کی ایک اہم بحث ہے جو حدیث پر عمل کرنے یا اس کے منسوخ ہونے کی صورت میں ناسخ پر عمل کرنے اور منسوخ حدیث کے احکام کو چھوڑنے کے فن سے بحث کرتی ہے سیرت نگاری میں اخذ احکام میں اصول حدیث کے اس فن کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے اس کی عمدہ مثال امام سہیلی کی بحث "ما نھی عنہ الرسول ﷺ فی خیبر" میں ملتی ہے پالتو گدھے کے گوشت کی حلت و حرمت کے حوالے سے روایات کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت جابرؓ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خیبر کے دن گھریلو گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمادیا اور گھوڑے کا گوشت کھانے کی رخصت دی جہاں تک پالتو گدھے کا تعلق ہے تو اس کی حرمت پر تو اجماع ہے سوائے ان چیزوں (روایات) کے جو ابن عباسؓ، حضرت عائشہؓ اور تابعین کے ایک گروہ سے منقول ہیں۔ جو لوگ گدھوں کے گوشت کو مباح سمجھتے ہیں ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول"{ قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ}"[1] ہے۔ یہ آیت مکی ہے اور گدھوں کے گوشت کی ممانعت والی حدیث خیبر کے دن کی ہے پس یہ حدیث آیت (مکی) کا بیان ہے اور (گوشت کے) مباح ہونے کے لیے ناسخ ہے اور ان (جن لوگوں نے گدھوں کے گوشت کو مباح کہا) کی دلیل آپ ﷺ کا یہ قول بھی ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے گھریلو گدھوں کے بارے میں فتویٰ طلب کیا جس کا نام غالب بن أبجر المزنی تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا"إطعم أهلك من سمين مالك"[2] (اپنے گھر والوں کو اپنے مال میں سے فربہ جانور کھلاؤ) حالانکہ یہ حدیث ضعیف ہے۔[3] اس جیسی حدیث سے ممانعت والی حدیث کا مقابلہ و معارضہ نہیں کیا جا سکتا جبکہ اس حدیث میں دو تاویلوں کا احتمال بھی موجود ہے ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ ہو سکتا ہے وہ آدمی ایسا ہو جسے شدید بھوک نے آلیا ہو پس آپ ﷺ نے اسے رخصت دے دی ہو یا پھر یہ حدیث حرمت والی حدیث سے منسوخ ہو چکی ہو۔[4]

---

1 الأنعام: 145

2 سنن ابو داود، کتاب الاطعمۃ، باب فی أکل لحوم الحمر الأھلیۃ، رقم الحدیث: ۳۸۱۱، المعجم الکبیر ۱۸،۲۶۵

3 شرح النووی ۹۱،۱۳۔۹۲، فتح الباری ۹،۶۵۶

4 الروض الانف ۷۸،۷،۴۔۷۹

(iv) قرآن سے سنت کے نسخ کی بحث

حدیث سے حدیث کے نسخ کے علاوہ قرآن سے سنت کے نسخ کی بحث بھی کی گئی ہے مثلاً تحویل قبلہ کی بحث میں علامہ ابو بکر العامری نے ذکر کیا ہے کہ ہجرت سے قبل رسول اللہ ﷺ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے لیکن آپ ﷺ نے ہجرت کی تو صخرہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے (لیکون أقرب الی تصدیق الیھود)۔ علامہ العامری نے علماء کے اس اختلاف کا ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ نے ایسا وحی کے ذریعہ کیا یا ذاتی اجتھاد کی بنیاد پر۔ علامہ نے قاضی عیاض کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ فعل سنت تھی قرآن کا حکم نہیں تھا پس اس میں ان لوگوں کے لیے دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن سنت کو منسوخ کرتا ہے[1]۔ کیونکہ {قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ}[2] کے تحت بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا اور بیت المقدس کی طرف منہ کرنے سے منع کر دیا گیا)۔

(v) رفع تعارض اور تطبیق بین الروایات

روایات میں ظاہری و حقیقی تعارض اخذ احکام میں خاص اہمیت کا حامل ہے محدثین و فقہاء نے رفع تعارض روایات پر خاص توجہ دی ہے کیونکہ روایات میں ظاہری تعارض کی صورت میں ان میں تطبیق ضروری ہے اور حقیقی تعارض کی صورت میں کسی ایک روایت کو کسی خاص علت کی بنیاد پر چھوڑنے اور دوسری روایت کو کسی ترجیح کی بنیاد پر اپنانا لازم ہے احکام سے متعلقہ روایات میں تعارض کو رفع کرنے اور تطبیق بین الروایات کا اسلوب بھی کتب سیرت میں اپنایا گیا ہے سیرت نگار حضرات نے اصول حدیث کے اس اہم فن کا بھرپور اطلاق کیا ہے ذیل میں اس اسلوب کی کچھ مثالیں درج ذیل ہیں۔

امام سہیلی لکھتے ہیں کہ ابن اسحاق نے یہ ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ عمرہ کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ کی طرف نکلے لیکن اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ آپ ﷺ نے احرام کہاں سے باندھا۔ صحیح بخاری میں (امام) زھری سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ذوالحلیفہ سے احرام باندھا (جبکہ) یہ حضرت علیؓ سے مروی روایت کے خلاف ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ "مکمل عمرہ یہ ہے کہ تو اپنے گھر سے عمرہ کا احرام باندھے" پس حضرت علیؓ کے اس قول کی تاویل کی جائے گی کہ یہ قول اس شخص کے لیے ہے جس کا گھر میقات سے آگے

---

1 بھجۃ المحافل، ص ۱۴۶، شرح النووی ۹، ۵، السبکی، الابھاج ۷، ۲۴، ۲

2 البقرۃ: 144

(حدود حرم میں) ہے وہ شخص اپنے گھر سے ہی احرام باندھے گا جس طرح اہل مکہ حج کا احرام مکہ سے باندھتے تھے[1] اور اس (غزوۃ الحدیبیۃ) میں مزید ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے اونٹوں کا شعار کیا یعنی (علامت لگائی) جبکہ یہ قول نخعی اور اہل کوفہ کے اس قول کے خلاف ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ مثلہ کی ممانعت سے شعار کا حکم بھی منسوخ ہو گیا تو ان سے کہا جائے گا کہ مثلہ کی ممانعت کا حکم غزوہ احد کے بعد تھا پس ناسخ منسوخ سے متقدم تو نہیں ہو سکتا۔(فلایکون الناسخ متقدماً علی المنسوخ)[2]

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ کی صفا اور مروہ کے درمیان سعی فقہاء اور سیرت نگاروں کے ہاں مختلف فیہ مسئلہ ہے بعض حضرات آپ ﷺ کی سعی کو سواری پر قرار دیتے ہیں جبکہ کچھ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے پیدل سعی کی۔ امام حلبیؒ نے لکھا ہے کہ صفا اور مروہ کے درمیان آپ ﷺ نے کچھ چکر تو پیدل طے کیے لیکن جب لوگوں کا ہجوم بڑھ گیا تو باقی چکر آپ ﷺ نے سواری پر بیٹھ کر پورے کیے۔ صاحب السیرۃ الحلبیہ نے اس بات کی تائید میں حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے۔ ابن عباسؓ سے جب پوچھا گیا کہ آپؓ کی قوم یہ گمان رکھتی ہے کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی سواری پر کرنا سنت ہے تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ ٹھیک بھی کہتے ہیں اور غلط بھی۔ وہ درست (یوں) کہتے ہیں کہ سعی سنت ہے لیکن وہ (یہ) غلط کہتے ہیں کہ سعی سواری پر کرنا سنت ہے سعی میں سنت پیدل چلنا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سعی میں پیدل چلے تھے جب آپ ﷺ کے گرد لوگوں کا ہجوم بڑھ گیا جو یہ کہہ رہے تھے کہ "**ھذا محمد ھذا محمد**" ہیں یہاں تک کہ عورتیں گھروں سے نکل آئیں۔ اور آپ ﷺ اپنے سامنے سے لوگوں کو (حیاء کے باعث) نہیں ہٹاتے تھے پس جب آپ ﷺ کے گرد بہت رش ہو گیا تو آپ ﷺ دوبارہ سوار ہو گئے (اور سعی کے باقی چکر پورے کیے) امام حلبی لکھتے ہیں کہ اس روایت سے گزشتہ اختلاف دور ہو جاتا ہے۔[3]

امام سہیلیؒ نے حضرت ابو قحافہؓ کے قبول اسلام اور ان کا سفید سر اور سفید داڑھی دیکھتے ہوئے ان کو دونوں (سر اور داڑھی) کا رنگ بدلنے کے نبوی فرمان کے تذکرہ میں آپ ﷺ کے خود خضاب لگانے یا نہ لگانے کی بحث چھیڑی ہے امام سہیلی لکھتے ہیں کہ مختلف احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے

---

1 الروض الانف ۴۴، ۴

2 الروض الانف۔ ۴۴، ۴، زاد المعاد۔ ۲۶۷، ۳، فتح الباری ۵۴۳، ۳، مرقاۃ المفاتیح ۵، ۹

3 السیرۃ الحلبیۃ ۳۶۷، ۳۔ ۳۶۸، زاد المعاد ۲۱۱، ۲، السیرۃ النبویۃ لابن کثیر۔ ۱۷۵۳، ۴، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب استحباب الرحل فی الطواف والعمرۃ، رقم الحدیث: ۳۱۱۴

سفید بالوں کو رنگا نہیں جبکہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے خضاب لگایا۔ امام سہیلی ان احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے تھوڑے سے سفید بال تھے جنہیں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے خضاب کے ساتھ بدل دیا (مزید یہ کہ) جب حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا وصال ہوا تو جس کے پاس آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے کچھ بال تھے تو انہوں نے ان بالوں کو زیادہ عرصہ کے لیے محفوظ رکھنے کے لیے کوئی چیز لگالی ہوگی دار قطنی نے اسماء الرجال المؤطا میں ایساہی کہا ہے۔[1]

فرضیت وضو کے حوالے سے فقہاء کے درمیان بہت اختلاف ہے بعض فقہاء و محدثین کے نزدیک وضو کی فرضیت مکی دور میں ہوئی جبکہ فقہاء دیگر اس کی فرضیت کو مدنی مانتے ہیں۔ امام حلبیؒ نے السیرۃ الحلبیہ میں "باب ذکر وضوئه وصلاته ﷺ اول البعثة"۔ کے تحت امام ابن حزم اور ابن عبد البر کے وضو کی فرضیت کے زمانہ کی تعین میں اختلاف کا ذکر کیا ہے اور ان دونوں کی آراء میں تطبیق پیدا کرنے کی ایک اچھی کوشش کی ہے امام ابن حزم کے نزدیک وضو مدینہ منورہ میں فرض ہوا۔[2] جبکہ امام ابن عبد البر کا کہنا ہے کہ تمام سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کبھی بغیر وضو نماز نہیں پڑھی۔[3] (اور یہ اسی صورت ممکن ہے جب فرضیت وضو کو مکی مانا جائے اور یہ ثابت ہے کہ پانچ نمازوں کی فرضیت سے پہلے بھی آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نماز پڑھتے تھے اگر ابن حزم کے قول کو مان لیا جائے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ مکہ میں حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جتنی نمازیں پڑھیں وہ بغیر وضو کے پڑھیں) اور اس بات سے کوئی بھی بے خبر نہیں کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کبھی بغیر وضو نماز نہیں پڑھی۔ علامہ حلبیؒ لکھتے ہیں کہ (رفع تعارض روایات کے لیے) یوں کہا جاسکتا ہے کہ ابن حزم کی مراد یہ ہو گی کہ وضو مدینہ میں فرض ہوا (اور اس سے قبل نماز کے لیے وضو ضروری نہیں تھا) اور یہ بات بعض مالکی حضرات کے قول کے موافق بھی ہے کہ قبل از ہجرت وضو مستحب تھا (فرض نہ تھا) اور وضو مدینہ میں سورہ المائدہ کی آیت"{يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ

1 الروض الانف، ۴،۱۷۶ روایات خضاب میں ناسخ و منسوخ کے لیے دیکھیے: ابن شاہین، ناسخ الحدیث ومنسوخہ ص ۵۶۹۔۵۷۲

2 السیرۃ الحلبیۃ، ۱،۳۷۷

3 السیرۃ الحلبیہ ۱،۳۷۷، ابن عبد البر، الاستذکار ۱،۳۰۸

وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ}' [1] کے ذریعہ فرض ہوا مگر الاتقان فی علوم القرآن میں جو کچھ ہے وہ (مالکی علماء اور ابن حزم کے) قول کی مخالفت کرتا ہے الاتقان کے مطابق یہ آیت ان آیات میں سے ہے جن کا حکم پہلے نازل ہوا اور آیت بعد میں نازل ہوئی۔[2] علماء کا اس بات پر تو اجماع ہے کہ یہ آیت مدنی ہے اور فرضیت وضو مکہ میں فرضیت نماز کے ساتھ ہوئی پس یہ کہا جا سکتا ہے کہ وضو فرضیت کے لحاظ سے تو مکی ہے مگر تلاوت آیت کے لحاظ سے مدنی ہے امام حلبی لکھتے ہیں کہ اس بات کی تائید حضرت عائشہؓ کے قول سے بھی ہوتی ہے جس میں انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آیت تیمم اتاری یہ نہیں کہا کہ آیت وضو اتاری اور اس کی وجہ یہی ہے کہ وضو اس آیت کے نزول سے پہلے فرض ہو چکا تھا۔[3]

رفع تعارض روایات اور تطبیق بین الروایات کی مندرجہ بالا چند امثلہ کے علاوہ دیگر بہت سی مثالیں بھی ان کتب میں موجود ہیں۔

خلاصہ بحث:

مذکورہ بالا ابحاث کو مندرجہ ذیل نکات میں مختصراً بیان کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ متقدمین و متاخرین کی سیرت نگاری میں وقائع سیرت سے استنباط و استخراج (فقہ السیرۃ/فقہیات سیرت) کا اسلوب و منہج بہت نمایاں اور واضح خدوخال رکھتا ہے۔

۲۔ فقہ السیرۃ کی باقاعدہ اصطلاح متقدمین و متاخرین کی سیرت نگاری میں اگرچہ نہیں ملتی البتہ عملی طور پر احکام کا استنباط اس اسلوب کی غمازی کرتا دکھائی دیتا ہے۔

۳۔ فقہ السیرۃ کے اسلوب کی طرف توجہ تمام کتب سیرت میں یکساں نہیں ہے۔ بعض مختصر کتب سیرت میں بہت سے احکام اخذ کیے گئے ہیں جبکہ کچھ مفصل کتب سیرت میں اخذ کردہ احکام یا زیر بحث لائے گئے فقہی مباحث کی تعداد بہت کم ہے۔

---

1 المائدة: 6

2 السیرۃ الحلبیہ ۳۷۸، ۱، السیوطی، عبدالرحمن بن أبی بکر (۹۱۱ھ)، الاتقان فی علوم القرآن، القاہرہ، دارالغد الجدید، ۱۴۲۷ھ، ۲۰۰۶ء، ص۱۰۸

3 السیرۃ الحلبیہ ۳۷۷، ۱-۳۷۸، الروض الانف ۴۴۴، ۱، المواہب اللدنیہ ۲۰، ۴، شرح العلامۃ الزرقانی ۲۰۴، ۹، ، سبل الهدی والرشاد ۲۹۷، ۲ السیرۃ النبویۃ لزینی دحلان ۱۷۴، ۱

۴۔ ابحاث فقہیہ کے ساتھ ساتھ اصولی مباحث کی ایک اچھی خاصی تعداد بھی ان کتب سیرت میں موجود ہے اور اس کی بنیادی وجہ اخذ احکام کے لیے محدثین وفقہاء کے قائم کردہ اصول و قواعد ہیں جن سے کوئی بھی صرف نظر نہیں کر سکتا۔ چاہے کوئی فقیہ احکام کا استنباط کرے یا سیرت نگار۔ نیز اصول و قواعد ہی کی بنیاد پر فقہی احکام کی شرعی حیثیت متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۵۔ احکام فقہیہ کے اخذ و استنباط میں مباحث اصولیہ کا اطلاق اساسی و بنیادی اہمیت کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ نصوص کی مراد اصلی تک پہنچنے کا ذریعہ وسبب ہے۔

۶۔ اخذ احکام و مسائل میں سیرت نگار حضرات فقہاء کے روایتی طرز عمل کی پیروی کرتے دکھائی دیتے ہیں جو کہ فقہ السیرہ کا تقاضا اور فنی ضرورت بھی ہے۔

۷۔ فقہ اسلامی میں تعبیر و تشریح کے جتنے بھی اصول ہیں ان میں سے اکثر کا اطلاق ان کتب سیرت میں نظر آتا ہے۔ وضع کے اعتبار سے لفظ کی اقسام، معنی مرادی کے لحاظ سے لفظ کی اقسام، نصوص کے حوالے سے دلالات، متعلقات اور متقابلات کے مباحث عام پائے جاتے ہیں کتب سیرت ہونے کے باوجود بعض اوقات ان کتب پر کتب فقہ ہونے کا گمان گذرتا ہے۔

۸۔ سیرت نگاروں نے مباحث اصولیہ کے اطلاق کے ذریعہ عمومی مقاصد یا مقاصد شریعت کو بھی واضح کرنے کی کوشش کی ہے زادالمعاد از ابن قیم اور الروض الانف میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جن کا تقابل دلچسپی کا موضوع اور الگ بحث کا متقاضی ہے۔

۹۔ فقہی احکام کی درجاتی تعین بھی سیرت نگاروں کے ہاں ایک اہم بحث ہے۔

۱۰۔ قواعد کلیہ کے اطلاق کے ذریعہ بھی احکام کا استنباط کیا گیا ہے۔

۱۱۔ استنباط احکام میں اصول فقہ اور اصول حدیث کے جن مباحث کے ذریعہ استنباط احکام میں مدد لی گئی ہے ان میں راویان احادیث پر نقد و جرح، روایات کے ضعف و اضطراب کی نشاندہی، روایات میں ناسخ و منسوخ کا تعین، قرآن سے سنت کے نسخ کی بحث اور رفع تعارض اور تطبیق بین الروایات وغیرہ اہم ہیں۔

۱۲۔ متقدمین و متاخرین کی کتب سیرت میں مباحث اصولیہ کے اطلاق کی ابحاث بہت دلچسپ، عمدہ اور سیرت نگاروں کے فقہی مزاج و بصیرت کی آئینہ دار ہیں۔ اور ایک قاری کے لیے وقائع سیرت میں دلچسپی کے پہلوؤں کو بڑھادیتی ہیں۔